حمدہٗ سبحانہٗ تعالیٰ

مسلم لیگ کی
مسلم کش سیاسی غلطیاں
سنہ ۱۹۴۵ء

از افادات

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ
صدر جمعیۃ علماء ہند وصدر آل انڈیا مسلم پارلیمنٹری بورڈ

شائع کردہ
مرکزی مسلم پارلیمنٹری بورڈ

ملنے کا پتہ
دفتر مرکزیہ جمعیۃ علماء ہند دہلی

قیمت

مُسلم لیگ کی آٹھ

مسلم کُش

سیاسی غلطیاں

پہلی سیاسی غلطی

حامداً و مصلیاً۔ امابعد۔ جس طرز حکومت کے متعلق موجودہ احوال میں
ہندوستان کے لئے وعدے ہو رہے ہیں اور اس کے سوا کسی دوسرے طریقہ
کا بظاہر کوئی سامان نہیں ہے۔ وہ آئینی جمہوری حکومت ہے۔

یہ طرز حکومت صرف ووٹوں کی اکثریت اور سروں کے گننے اور اُنکے زیادہ
ہونے پر موقوف ہے۔ سروں کے کاٹنے سے فیصلہ کرنا تو اقلیت کو کامیاب بنا سکتا
ہے۔ گر سروں کے گننے سے فیصلہ کرنا، بجز اکثریت کے حاصل نہیں ہوسکتا جس جماعت
کی اکثریت ہوگی وہی کامیاب ہوگی۔ چاہے وہ اکثریت صرف ایک ہی کی زیادتی
پر موقوف ہو۔

اسلئے اس طرز حکومت میں اکثریت بنانی اشد ضروری ہے۔ ہندوستان کی
تاریخ بتلاتی ہے کہ اس ملک میں کبھی بھی اکثریت کی حکومت آج تک نہیں رہی۔
مگر برطانیہ اسی طرز حکومت کو ہندوستان میں چلانا چاہتا ہے۔ اور اسی کی داغ بیل
اُس نے عرصہ سے ڈال رکھی ہے۔ زعمار ہندوستان بھی خواہ ہندو ہوں یا مسلمان

سکھ ہوں یا پارسی - اسی کو سراہ رہے ہیں اور بجز اسکے ہندوستان میں اور کوئی طریقہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ جیسا طریقہ انگلستان میں رائج ہے - جبتک کوئی قوم اور پارٹی جو کہ ملک میں عددی اکثریت رکھنے والی ہو۔ اُس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ اُس کی آئینی اکثریت بھی تسلیم نہ کر لیجائے۔ اس لئے ہر جماعت کیلئے اپنی آئینی نشستوں کو زیادہ سے زیادہ کرانا اور اقلیت میں آنے سے محفوظ رہنے کی کوشش کرنا ازبس ضروری ہے۔

یہ کھلی ہوئی بات ہے کسی غور و خوض کی ضرورت نہیں اور نہ پیچیدہ مسئلہ ہے دسمبر ۱۹۱۶ء میں لکھنؤ کے اجلاس کانگریس زیر صدارت امبکا چرن مزمدار اور اجلاس مسلم لیگ بصدارت مسٹر محمد علی جناح میں معاہدہ ہوا جس کو میثاق لکھنؤ کے نام سے مشہور کیا گیا۔ اس میں منجملہ دیگر شرائط کے نقشہ حسب ذیل تھا۔

نام صوبہ	مسلمانوں کی فیصدی آبادی	کونسل میں مسلمان ممبروں کی فیصدی تعداد	مسلمانوں کی کمی یا بیشی آبادی کی نسبت
پنجاب	۵۵ فیصدی	۵۰ فیصدی	- ۵
بنگال	۵۳ "	۴۰ "	- ۱۳
بمبئی	۲۰ "	۳۳ "	+ ۱۳
یو پی	۱۴ "	۳۰ "	+ ۱۶
بہار	۱۰ "	۲۵ "	+ ۱۵
مدراس	۷ "	۱۵ "	+ ۸
صوبہ متوسط	۴ "	۱۵ "	+ ۱۱

اس میثاق میں مسلمانوں کو صوبہ بنگال و پنجاب میں (جہاں پر اُن کی تعداد
۲۴۹۰۰۲۴۰
اس زمانہ میں تین کروڑ انچاس لاکھ چار سو چالیس تھی اور بہ نسبت باقیماندہ ہر دو
صوبوں کی مجموعی تعداد کے بھی بہت زیادہ تھی) بالکل فنا کے گھاٹ اتار دیا گیا۔
اس وقت مسلمانوں کی تعداد تمام ہندوستان میں چھ کروڑ چھیاسٹھ لاکھ سینتالیس
۶۶۶۴۷۲۹۹
ہزار دو سو ننانوے تھی۔

اگرچہ اقلیت والے صوبوں کو زیادہ نشستیں بہ نسبت آبادی کے دی
گئیں تھیں۔ مگر وہ تقریباً فضول اور بے اثر تھیں۔ کیونکہ ان زیادہ سیٹوں کی وجہ
وہ اقلیتوں سے نہیں نکلتے اور نہ ان کی اقلیت اس زیادتی کے ساتھ بھی تہائی
فیصدی تک پہونچتی ہے۔ ان کو بہر حال کسی فیصلہ میں کامیابی کے لئے دوسروں کے
سہارے کی ضرورت رہتی ہے

صوبہ بنگال اور پنجاب کے مسلمان اپنی اپنی اکثریت کھو دینے کی وجہ
ہر امر میں دوسروں کے محتاج ہو جاتے ہیں۔ کوئی فیصلہ بھی اپنے استقلال سے
نہیں کر سکتے۔ مسٹر جناح جو کہ اس ظلم وستم اور مسلم اکثریت کُشی کے بڑے ذمہ دار
ہیں (کیونکہ وہ ہی اس وقت پیش پیش اور لیگ کے اجلاس کے صدر تھے) آل انڈیا
کے اجلاس منعقدہ ۲۴ رجنوری ۱۹۲۵ء بمقام دہلی اس بے عنوانی اور مسلم کشی کی
وجہ مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

"میثاق لکھنؤ کس طرح وجود میں آیا۔ پنجاب اور بنگال میں مسلمان اکثریت
میں تھے۔ بنگال میں ۵۶ فیصدی تھے اور پنجاب میں ۵۴ فیصدی مسلمانوں کی
[illegible]

حکومت میں حصہ دیا گیا تو ایسا ہی ہے۔ جیسے کہ کسی کو اس کی جہالت اور نااہلیت پر انعام دیا جائے۔ اسلئے یہ تجویز ہوئی تھی کہ ان دونوں صوبوں میں مشترکہ انتخاب کر دیا جائے۔ مگر مسلمانوں نے شکایت کی کہ اگر مشترکہ انتخاب رکھا گیا تو ان کی ووٹ دینے کی قوت ختم ہو جائے گی اور وہ دس پانچ فیصدی نشستیں بھی نہ حاصل کر سکیں گے۔ اس جگہ مسٹر جناح نے متوجہ کیا کہ اس ترقی کے باوجود جو دونوں قوموں نے کی ہے یہ واقعہ ہے کہ پولنگ کے وقت زیادہ تر جذبات کی کارفرمائی ہوتی ہے۔ اور ووٹر اپنے ہم مذہبی کو ووٹ دیتے ہیں۔ جب یہ طے ہو گیا کہ نااہلیت پر انعام نہ دیا جائے تو اس پر معاملہ طے ہو گیا کہ پنجاب کے مسلمانوں کو ۵۰ فیصدی اور بنگال کے مسلمانوں کو ۴۰ فیصدی نشستیں دی جائیں۔ جب پارلیمنٹ میں ریفارم بل پر بحث ہوئی تو گورنمنٹ آف انڈیا نے بنگال کی نشستوں کے بارے میں میثاق لکھنؤ کی مخالفت میں ایک تحریر بھیجی کیونکہ اس میثاق کی رو سے بنگال کی ۵۶ فیصدی آبادی کو صرف ۴۰ فیصدی نشستیں ملی تھیں۔ لیکن ہندو اور مسلمان قابل تعریف طریقہ پر میثاق لکھنؤ پر اڑے رہے اور جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی نے بھی اس میثاق کی تصدیق کر دی۔" (انڈین کوارٹرلی سہ ماہی، دسمبر ۱۹۲۵ء جلد ۱ صفحہ ۶۸)

یہ تقریر مسٹر جناح کی نہایت مہمل اور غیر معقول تھی۔ ایسی ہی غیر معقول جیسی تو انگریز بھی ہندوستانیوں کو آزادی نہ دینے میں کہتا ہے۔ (الف) ہر قوم کا اور ہر ملک کا حق ہے کہ وہ آزاد رہے اور اپنے لئے خاطر خواہ دستور بنائے جیسا کہ ابراہیم لنکن بانی جمہوریت امریکہ کا مشہور مقالہ ہے "کسی دوسری قوم کو کسی کی آزادی چھیننے کا اور اپنے دستور پر لوگوں کو مجبور کرنے کا حق نہیں ہے۔ خواہ وہ تعلیم یافتہ

ہیں یا غیر تعلیمیافتہ" اسلئے حکومت برطانیہ جو کہ غاصب اور ظالم اور ڈاکو ہے
ہندوستانیوں کو حکومت دینے میں انعام دینے والی نہیں۔ بلکہ ان کے حق
کو واپس دینے والی ہے۔ غصب کرنیوالے اور ظالم کا فریضہ ہے کہ غصب کی
چیز کو جس سے غصب کیا ہے جلد سے جلد واپس کر دے خواہ مغصوب منہ اہل ہو
یا نااہل۔ اور اگر اہل ہونا ہی شرط ہو تو غاصب کو کیا حق ہے کہ اس کی اہلیت
فیصلہ کرے۔ بہرحال یہ نظر اصل سے ہی غلط ہے کہ اپنے ملک پر حکومت میں کچھ
حصہ دینا انعام ہے۔ اس لئے اسکو صرف اہل ہی کو دینا چاہیئے۔ (ب) اگر
بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ انعام ہے اور اہل ہی کو ملنا چاہئے۔ غیر تعلیمیافتہ
اہل نہیں ہے تو چاہئے کہ سارے ہندوستان کو نہ سلف گورنمنٹ دی جائے
نہ آزادی کامل نہ ڈومینین اسٹیٹس نہ اور کسی قسم کی حکومت۔ کیونکہ ہندوستان
کی تمام آبادی میں تعلیم یافتہ دس فیصدی بھی نہیں ہیں۔ اور انگریزی تعلیمیافتہ تو جو
مسٹر جناح اور ان کے ہمخیال تعلیمیافتہ سمجھتے ہیں ۲ فیصدی بھی نہیں ہیں۔ ا
جبتک کہ یہ لوگ کم از کم نوے فیصدی تعلیم یافتہ نہ ہو جائیں' ان کو کسی قسم کی حکو
نہ ملنی چاہئے اور پھر جس تعداد سے تعلیمیافتوں کی ترقی ہو رہی ہے۔ زمانہ سا
کے معیار کو دیکھیں تو تقریباً ایک ہزار سال کی ضرورت ہے۔ جب کہیں یہ ملک
یوروپین ممالک کی طرح تعلیمیافتہ ہو سکیگا۔ اسلئے کئی سو برس تک انتظار کر
چاہئے۔ (ج) اگر یہ بات صحیح ہے تو پھر بنگال اور پنجاب کو پاکستان بھی نہ ملنا چاہیے
اس کی ذمہ داریاں تو بہت ہی زیادہ ہیں۔ (د) اپنے ہم مذہبوں یا رشتہ دار
کو ووٹ دینا کیا مسٹر جناح کے تسلیم کردہ ممالک میں نہیں پایا جاتا۔ (ہ) البتہ

درنا اہمیت کا اندازہ کرنا بھی مسٹر جناح اور ان کے ہمنواؤں کے قول پر نہیں ہے۔
الغرض یہ تقریر اور وجہ بالکل غلط اور پوچ تھی۔ جو کہ اپنی غلطی یا خیانت کے چھپانے
کے لئے بیرسٹرانہ طریقہ پر (جنکا کام ہمیشہ جھوٹے کو سچا اور سچے کو جھوٹا بنانا ہے) تھی۔
یقیناً مسلمانان بنگال و پنجاب پر اس میثاق سے سخت ظلم ہوا۔ یہ بھی غلط بات ہے کہ
اگر مخلوط انتخاب ہو تو مسلمانوں کے ووٹ کی قوت ختم ہو جائے گی اور پانچ فیصدی نشستیں
نہ حاصل کر سکینگے۔ یہ خطرہ تو جب ممکن ہے کہ ان کی اکثریت آبادی میں نہ ہو۔ نیز یہ
خطرہ نشستوں کی تعیین کے وقت میں بالکل نہیں رہتا۔

الحاصل اس منحوس میثاق کی بنا پر مسلمان تمام ہندوستان میں آئینی اقلیت
میں آگئے۔ کہیں بھی ان کا استقلال باقی نہیں رہا۔ اسی بنا پر صاحب روشن مستقبل لکھتا ہے
"اگر مسلمانوں کو پنجاب اور بنگال میں مردم شماری کے مطابق نشستیں مل جاتیں
تو ان دونوں صوبوں کی کونسلوں میں اُنکی اکثریت ہو جاتی اور سوقت سے پچیس ۲۵ سال
قبل ہی پاکستان کی بنیاد قائم ہو جاتی اور چونکہ ان دونوں صوبوں میں مسلمانوں کی
تعداد ہندوستان کے باقیماندہ تمام صوبوں کے مسلمانوں سے زیادہ تھی۔ اس لئے
مسلمانوں کی زیادہ آبادی کو کونسلوں میں اکثریت حاصل ہو جاتی۔"

لیکن برا ہو کج فہمی اور نفسانی اغراض اور تکبر کا کہ یہ دھوکہ کھایا گیا کہ مسلمانوں
کی ہر صوبہ میں اتنی تعداد ہونی چاہئے کہ وہ پاسنگ ہو جائیں۔ اگر برادران وطن کے
ساتھ ہو جائیں تو حکومت کو اور حکومت کے ساتھ ہو جائیں تو برادران وطن کو شکست
دے سکیں۔ مگر یہ پالیسی بالکل غلط پالیسی تھی۔ اتنی اقلیت کے ساتھ وہ ہر صوبہ میں
اسکو بھی حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ متعدد صوبوں میں وہ حکومت کے ساتھ بھی مل کر

براداران وطن سے اکثریت میں نہیں آسکتے تھے اور نہ اُن کو شکست دے سکتے تھے یہ
باتیں جب ان کی پالیسی خواہ ڈانواڈول پالیسی ہو کر رہ جاتی ہے۔ کوئی مستقل پالیسی باقی
نہیں رہتی۔

یہ آئینی غلطی معمولی غلطی نہ تھی۔ جسکے مرتکب لیگ کے زعماء ہوئے تھے۔ مولانا
محمد علی جوہر مرحوم اور مولانا ابوالکلام آزاد اور دوسرے سمجھدار اور مخلص لیڈر اس زمانہ
میں جیل میں تھے ورنہ یقیناً اس غلطی کا ارتکاب ہوتا۔ جب ۱۹۲۰ء میں مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات
دی گئیں تو یہی منحوس دفعہ مسلمانوں پر عائد کر دی گئی اور اکثریت والے صوبوں کو اقلیت
والے صوبوں پر قربان کر دیا گیا۔ تجربہ نے بتا دیا کہ لکھنؤ کے میثاق ملی نے اُن کو اپنے
یہاں بھی اور باہر بھی زنجیروں میں جکڑ دیا ہے۔ بغیر غیروں کی مدد کے وہ ادنیٰ سے ادنیٰ
امر کو بھی اپنے مفاد مذہبی یا معاشی و سیاسی کے موافق پاس نہیں کر سکتے اور نہ اپنی
وزارت بنا سکتے ہیں۔ یہ کوئی معمولی مصیبت نہیں ہے۔ اسی بناء پر تمام ہندوستان
کے کسی صوبہ میں بھی مسلم وزارتیں اس زمانہ میں نہ بن سکیں اور آج بھی جبکہ صوبہ سرحد کو
ریفارم اور صوبہ سندھ کو علیحدہ کیا جا چکا ہے اور وہاں پر مسلم اکثریت آئینی طور پر تسلیم کی
جا چکی ہے۔ صوبہ بنگال اور پنجاب مجبور ہے کہ مسلم وزارت اپنی آئینی اقلیت کی بنا
پر بغیر دوسروں کے ملائے ہوئے نہیں بنا سکتا۔ ہر دو صوبوں میں دوسروں کو اپنے
ساتھ ملا کر بالخصوص گورنمنٹوں کو ساتھ لیکر اگر کسی ملی مفاد کو پاس کرانا چاہتے ہیں
نہایت گراں بار ہو جاتا ہے۔ جس میں ملک اور وطن کو بھاری سے بھاری قربانی
دینی پڑتی ہے۔ اسی وجہ سے لیگ کی مجلس عاملہ کے ایک عالیہ جلسہ میں جب لیگی
وزارتوں کا جائزہ لیا گیا تو بنگال کے مسلم لیگی وزیر سر ناظم الدین نے خود ہی یہ خیال

ظاہر کیا۔ سر ناظم الدین نے اس جلسہ میں کھلم کھلا اعتراف کیا کہ میں اپنی وزارت کو باقی رکھنے اور سنبھالنے کے لئے ایسے ذرائع استعمال کر رہا ہوں جو مناسب نہیں ہیں اور مجھے یوروپین گروپ کی تائید کی بہت زیادہ قیمت ادا کرنی پڑ رہی ہے۔ کیونکہ اس گروپ کی تائید کے بغیر میری وزارت ایک دن بھی زندہ نہیں رہ سکتی"۔ اجمل بمبئی ۱۵ رجنوری جلد ۸ نمبر ۱۳۱ از روزنامہ ہندوستان ٹائمز)

مولانا محمد علی صاحب مرحوم کو اخیر تک اس کا افسوس رہا اور بار ہا مجالس میں اس کا ذکر فرماتے رہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ غلطی اگر دانستہ کی گئی ہے تو یقیناً لیگ اور اُس کے اس وقت کے زعماء انتہائی درجہ میں غداران اسلام ہیں اور اگر نادانستہ کی گئی ہے تو انتہائی درجہ کے بھولے اور احمق ہیں۔ جن پر اعتماد کرنا سخت غلطی ہوگی

دوسری سیاسی غلطی

(۲) سنہ ۱۹۲۹ء میں کنونشن کانفرنس کلکتہ میں جبکہ مخلوط انتخاب کے متعلق بحث ہو رہی تھی اور یہ مسئلہ درپیش تھا کہ مخلوط انتخاب میں مسلمانوں کو فائدہ ہے یا نہیں تو سر تیج بہادر سپرو نے کہا کہ ایسی صورت میں کہ اقلیت والے صوبوں میں مسلمانوں کی نشست متعین ہو جائے۔ اور اکثریت والے میں متعین نہ ہو مخلوط انتخاب سے مسلمانوں کو نفع ہی نفع ہے کیونکہ:۔

آل پارٹیز کانفرنس کی تجویز کے مطابق مسلم اقلیت کے صوبوں میں مسلمانوں کی آبادی کی نسبت سے ان کے ممبروں کی تعداد مقرر کردی جائیگی۔ اسکے علاوہ مسلمانوں کو اختیار ہوگا کہ وہ عام مخلوط انتخاب میں شریک ہو کر مزید نشستیں حاصل کرلیں اور بنگال و پنجاب میں دکھایا کہ مخلوط انتخاب کے اجراء سے مسلمانوں

کو بقدر سات یا آٹھ نشستوں کے اور زیادہ مل جائیں گی جس کی وجہ سے
ان دونوں صوبوں میں مسلم ممبران کی تعداد پنجاب میں ساٹھ فیصدی اور بنگال
میں اٹھاون فیصدی کے قریب ہوجائیگی۔"

تو اس کے جواب میں مسٹر جناح نے حسب ذیل ارشاد فرمایا:۔
"پنجاب اور بنگال کے مسلمانوں کو ان کی آبادی کی نسبت سے سات
یا آٹھ مزید نشستیں دینے کے یہ معنی ہونگے کہ جو صوبے پہلے سے امیر ہیں۔
انھیں اور زیادہ امیر بنایا جائے۔ بجائے اسکے اگر مسلم اقلیت کے صوبوں
مثلاً مدراس اور بمبئی یا صوبہ متحدہ کو یہ مزید نشستیں دیدی جائیں۔ تو ان کا کچھ بھلا
بھی ہو جائے گا۔"

ان کی یہ رائے غلط تھی۔ پنجاب اور بنگال کی اکثریت نہایت تھوڑی
اکثریت ہے۔ اگر ان کو آبادی کی حیثیت سے سیٹیں دے بھی دی جائیں تو اجلاسوں
میں ہمیشہ اکثریت کا پایا جانا عادۃً محال ہے۔ کیونکہ بوقت اجلاس اتنے بڑے ایوان
میں دو چار کا بیمار ہو جانا اور دو چار ممبروں کا اپنے خصوصی اعذار کی وجہ سے غیر حاضر
ہو جانا عادتاً ضروری ہے جیسا کہ ہمیشہ مشاہدہ میں آتا رہتا ہے۔ ہاں اگر اکثریت بڑے
پیمانہ پر ہو تو یہ احتمال نہیں رہتا۔ صوبہ بنگال کی اکثریت صرف تین سے اور پنجاب کی
اکثریت صرف پانچ سے ہوتی ہے۔ جس کا اجلاسوں میں کم ہو جانا ہرگز مستبعد نہیں
ہے۔ بہرحال "اس وقت مسٹر جناح نے بنگال و پنجاب کی کونسلوں اور اسمبلیوں
میں مسلم اکثریت ہونے کی صاف الفاظ میں مخالفت کرکے ان صوبوں کو پاکستان
بنائے جانے سے روکا۔" (روشن مستقبل)

کیا یہ صریح سیاسی غلطی نادانستہ یا دانستہ نہیں ہوئی۔ حالانکہ خود مسٹر جناح مخلوط انتخاب کے حامی تھے جیساکہ آئندہ آئے گا۔

تیسری سیاسی غلطی

جو لوگ لیگ اور مسلم کانفرنس کی طرف سے راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں شرکت کے لئے منتخب کئے گئے تھے اور جن میں مسٹر جناح صاحب بھی تھے اور ان کو تاکید کر دی گئی تھی کہ وہ مسلم کانفرنس کے مطالبات پاس کردہ یکم جنوری ۱۹۲۹ء اور ۵ اپریل ۱۹۳۱ء کا ہی اتباع کریں۔ جن میں یہ بھی تھا کہ بنگال و پنجاب میں مسلم نشستیں باعتبار آبادی ہونی ضروری ہیں اور اسی کی یاد دہانی اور تاکید مجلس عاملہ آل انڈیا مسلم کانفرنس منعقدہ شملہ بتاریخ ۲۳ ستمبر ۱۹۳۱ء الفاظ ذیل کے ساتھ کی گئی تھی۔

یہ مجلس پھر یاد دلاتی ہے کہ یکم جنوری ۱۹۲۹ء اور ۵ اپریل ۱۹۳۱ء کی مسلم کانفرنسوں میں مسلمانوں نے کم سے کم جو مطالبات منظور کئے ہیں۔ ان میں ترمیم کمی نہیں ہوسکتی۔ اب پھر ان کا اعادہ کیا جاتا ہے کہ جس دستور اساسی میں مسلمانوں کے ان مطالبات کو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ وہ کسی صورت سے قابل قبول نہ ہوگا۔ (مدینہ بجنور ۱۷ اگست ۱۹۳۱ء جلد ۲۱ ۵۹ ص ۵)

مگر ان حضرات نے وہاں جاکر صراحتاً اس کی خلاف ورزی کی اور پنجاب و بنگال کے متعلق ۵۱ فیصدی کا مطالبہ پیش کیا۔ چنانچہ ان کی اس خلاف ورزی اور بغاوت پر احتجاج کرتے ہوئے ۱۹ نومبر ۱۹۳۱ء بمقام دہلی مجلس عاملہ آل انڈیا مسلم کانفرنس میں حسب ذیل قرار داد پاس کی۔

"آل انڈیا مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ مندوبین گول میز کانفرنس کی ان مبارک

مساعی کی ستائش کرتی ہے جو انھوں نے دیگر مندوبین کے ساتھ مفاہمت کرنے اور اقلیتوں کے ساتھ باہمی سمجھوتہ اور اشتراک عمل کرنے کے سلسلہ میں کی ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی ظاہر کرتی ہے کہ انہیں بنگال و پنجاب کی مجالس مقننہ میں مسلم نیابت کو ۵۱ فیصدی تک ہرگز کم کرنا نہیں چاہئے تھا۔ بلکہ ان صوبوں میں مسلم نیابت کو آبادی کے تناسب کے مطابق رکھنا چاہئے تھا۔"

ذرا غور کرنیکی بات ہے کہ ان نمائندوں کو بار بار تاکید کی گئی تھی کہ ہمارے مطالبات میں سرمو کمی نہ کریں اور منجملہ دیگر امور کے یہ بھی تھا کہ بنگال و پنجاب میں نشستیں حسب آبادی ہونی چاہئیں تو ان حضرات کا دونوں صوبوں میں ۵۱ فیصدی تک اُتر آنا اگر دانستہ ہے تو کیا عظیم الشان غداری نہیں ہے اور اگر نادانستہ ہے تو کیا عظیم الشان حماقت نہیں ہے اور کیا ایسے لوگوں پر اعتماد کرنا درست ہے۔

(نوٹ) واضح ہو کہ اس جماعت میں مسٹر جناح بھی شریک اور منتخب تھے چنانچہ رپوٹر ۳۰ راکتوبر کے تار میں لکھتا ہے۔

"اقلیتوں کا مسئلہ ابھی غیر تصفیہ شدہ ہے۔ البتہ معلوم ہوا ہے کہ اس سلسلہ مسلمانوں نے دیگر اقلیتوں سے گفتگو شروع کر دی ہے اور ان لوگوں کا ایک جلسہ ہوا تھا جس میں آغا خاں، سر محمد شفیع مسٹر غزنوی اور مولانا شوکت علی اور مسٹر جناح کو اختیار دیدیا گیا تھا کہ وہ سر ہیوبرٹ کار، سر ہنری گڈنی، ڈاکٹر امبیدکر اور مسٹر نیپر سلویم سے ملیں اور اقلیتوں کے مسئلہ پر گفتگو کریں اور اس قسم کا کوئی حل تلاش کریں جس سے اقلیتوں کے مطالبات پورے ہو جائیں۔"

مدینہ بجنور ۵ نومبر ۱۹۳۱ء جلد ۲۰ ۷۹ ص ۳

ان حضرات کو اپنی سادہ لوحی کی بنا پر یہ سمجھ میں آیا کہ ۵۱ فیصدی حاصل ہونے پر آئینی طور پر ہماری اکثریت تسلیم ہو جائیگی اور ہم اپنی مسلم وزارتیں دونوں صوبوں میں بنا سکیں گے مگر یہ نہ خیال آیا کہ (الف) ہر اجلاس میں ایسی صورت میں کیا ہم اپنی اکثریت لا سکینگے یا نہیں جبکہ دو چار کا کم ہو جانا عادتاً ضروری ہے۔ (ب) کیا مخالف کے سامنے اسقدر کمی کو پیش کرنا کامیابی کے لئے ذریعہ ہو سکتا ہے۔ دنیا میں عموماً اور انگریزی سیاست میں خصوصاً جبتک زیادہ سے زیادہ مطالبہ نہیں کیا جاتا ہے اسوقت تک کم سے کم بھی حاصل نہیں ہوتا۔ مشہور عالم ہے "بمرگش بگیر تا بہ تپ راضی شود"۔ عربی کا مقولہ ہے خذہ بالموت حتی یرضی بالحمی اور یہی وجہ ہوئی کہ اقلیتوں نے اتنا بھی نہ مانا اور بالآخر ان حضرات کو یہ معمولی اکثریت بھی کھو دینی پڑی۔

چوتھی سیاسی غلطی

لیگ اور مسلم کانفرنس نے اپنے نمائندوں کو راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں اسلئے بھیجا تھا کہ وہاں جا کر انگریزوں سے مسلمانوں کے مطالبات تسلیم کرائیں۔ اسلئے نہیں بھیجا تھا کہ وہ دوسری اقلیتوں اچھوت، پارسی، عیسائی، یوروپین وغیرہ کے حقوق کے محافظ بنکر ان سے معاہدہ کریں۔ انگریزوں اور بالخصوص وزیر اعظم نے بار بار اعلان کیا تھا اور اب بھی یہی اعلان ہے کہ ہندوستانی آپس میں جس نظام اور جن حقوق پر متفق ہو جائیں گے ہم اسی کے موافق عمل کریں گے۔

پہلی گول میز کانفرنس کے خاتمہ پر وزیر اعظم نے دوسری گول میز کانفرنس کی دعوت دیتے ہوئے اطمینان دلایا تھا کہ کسی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل نہیں کیا جائیگا۔ اس لئے ہندوستانیوں کے آپس میں سمجھوتہ کیلئے چونکہ ہندوستان میں سرگرم اور کارکن منظم جماعت

کانگریس تھی اس سے سمجھوتہ اور معاہدہ ہوجانا ازبس ضروری اور کافی تھا۔ اگر وہ اور مسلمان نمائندے آپس میں سمجھوتہ کرلیتے تو نہ مہاسبھا نہ اچھوت نہ عیسائی وغیرہ کوئی بھی سر اٹھا سکتے اور اگر اٹھاتے بھی تو لیگ، مسلم کانفرنس، کانگریس سب مل کر اُن سے صلح کرتے یا اپنے مقاصد کو منواتے۔ اور جو کچھ بھی کرتے سب کی ذمہ داری ہوتی مگر افسوس کہ مسلم نمائندے نہ سمجھے اور باوجود اس کے کہ گاندھی جی نے انکے تمام مطالبات مان لئے تھے۔ جا کر یوروپین ایسوسی ایشن اور دیگر اقلیتوں سے مل بیٹھے اور ان سے نہایت ذلیل اور شرمناک معاہدہ کر کے دستاویز پر دستخط کردئے خود مسٹر جناح مندرجہ ذیل بیان شائع فرماتے ہیں۔

گاندھی جی اور مسلم مندوبین میں طویل گفت و شنید کے بعد حسب ذیل تجویزیں منظور ہو گئی تھیں جن سے گاندھی جی بالکل متفق تھے۔

(۱) پنجاب و بنگال میں مسلمانوں کی ایک فیصدی اکثریت رہے گی یعنی کل ایوان کے ۵۱ فیصدی اراکین مسلمان ہوا کرینگے۔ لیکن یہ سوال کہ یہ اکثریت اکیاون فیصدی نشستوں کے تعین کے ساتھ مخلوط انتخاب کے ذریعہ منتخب ہو یا جداگانہ کے ذریعہ۔ جدید دستور اساسی کے نفاذ سے پہلے مسلمان ووٹروں کی رائے سے طے ہوگا اور وہ جو فیصلہ کریں گے اُسے سب قبول کرینگے۔

(۲) اس کے علاوہ دیگر صوبوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں اور انہیں جسقدر نشستیں اس وقت حاصل ہیں وہ بدستور قائم رہیں گی اور ان صوبوں میں بھی اس سوال کو کہ آیا وہاں جداگانہ انتخاب ہی رائج رہے یا مخلوط طریق انتخاب مسلمان ووٹر ہی جدید دستور اساسی کے نفاذ سے پہلے طے کرینگے اور

ان کا فیصلہ سب کے لئے قابل عمل ہوگا۔

(۳) اسی طرح مرکزی مجالس قانون ساز میں بھی (دونوں ایوانوں میں) مسلم اراکین کی تعداد ایک تہائی ہو۔ لیکن یہ تعداد رواج کے ذریعہ والیانِ ریاست اور برطانوی ہند کے مابین اس طرح طے ہوگی کہ ان کے نمائندوں میں بھی مسلمانوں کی جو تعداد رہے وہ برطانوی ہند کے مسلم نمائندوں میں سے کم کردی جائے۔

(۴) محفوظ اور مخصوص اختیارات صوبوں کو تفویض ہونگے۔

ان کے علاوہ دیگر امور کے متعلق یعنی سندھ کی علیحدگی، صوبہ سرحد کو اصلاحات، ملازمتوں میں مسلمانوں کا تناسب، وزارت میں مسلمانوں کا حصہ، بنیادی حقوق اور مذہب اور تمدن کا تحفظ، اور کسی ملت کے خلاف قوانین کا عدم نفاذ وغیرہ بھی طے ہو گئے تھے۔ ان تجاویز کو رسمی طور پر گاندھی جی کے سامنے پیش کیا گیا اور گاندھی نے انھیں اس کے بعد اس بے ضابطہ کانفرنس کے روبرو پیش کیا۔ جس میں مختلف اقلیتوں کے نمائندے یعنی لبرل، غیر برہمن، اچھوت، یوروپین اور اینگلو انڈین وغیرہ موجود تھے۔ چنانچہ یہ سب لوگ ان تجاویز کو قبول کرنے کے لئے تیار تھے۔ جو جماعت مخالف تھی وہ صرف ہندو مہا سبھائی جماعت تھی۔ اس موقعہ پر میں اس کا ضرور اعتراف کروں گا کہ گاندھی جی نے اپنی پوزیشن بالکل صاف کردی تھی۔ وہ مسلمانوں کے ان مطالبات کو قبول کرنے کے لئے ہر طرح تیار تھے اور انہوں نے کانفرنس کے سامنے خود انھیں پیش کیا اور اس کا پورا یقین دلایا کہ وہ ان تجاویز کو کانگریس اور ڈاکٹر انصاری صاحب کی جماعت سے منوانے کی امکانی کوشش کرینگے۔

ہندو مہاسبھا اور سکھ اسے قبول کریں اور انھوں نے ان دونوں جماعتوں کو منانے
کی بھی انتہائی کوشش کی لیکن افسوس ہے کہ وہ کامیاب نہ ہوئے۔

(مدینہ ۲۱-اکتوبر ۱۹۳۱ء جلد ۲۰ ۵، ۶)

ڈاکٹر سید محمود صاحب کے ارشادات بھی ملاحظہ ہوں بعنوان "مسلم مطالبات
مہاتما گاندھی"

اس سوال کے جواب میں کہ حکومت کی طرف سے فرقہ وارانہ تصفیہ کے متعلق
آپ کا کیا خیال ہے۔ آپ نے کہا تھا کہ :-

مہاتما جی نے لندن میں مسلمانوں کے چودہ نکات بے کم وکاست
منظور کر لئے تھے۔ لیکن ہمارے نمائندوں نے مہاتما گاندھی کی کچھ پرواہ نہیں
کی۔ انھوں نے ناممکن مطالبات پیش کئے۔ جنکا مسلمانوں کے مطالبات سے
کوئی تعلق نہیں تھا۔ یہ نمائندے لندن میں یوروپین ایسوسی ایشن کے حامی
اور پشت پناہ بن گئے۔ مجھے یقین ہے کہ وزراء برطانیہ کسی نہ کسی حیلہ سے پھر
فرقہ وارانہ تصفیہ کو معرض التوا میں ڈال دینگے۔ کیونکہ انھیں اب بھی مسلمانوں
سے کچھ تھوڑا کام لینا باقی رہ گیا ہے۔ لیکن چھ مہینے کے بعد وہ انھیں دھکے
دیکر الگ کر دینگے۔ میں نہایت عاجزی اور خلوص کے ساتھ اپنے ہم مذہبوں
سے اپیل کرتا ہوں کہ مادر وطن کی خدمت میں دریغ نہ کریں۔ مجھے اس میں
کچھ شک نہیں کہ مسلمان قربانی اور ایثار کر کے اس سے زیادہ حاصل کر سکتے ہیں
جسکے وہ اس وقت خواہشمند ہیں۔ تحفظات اور معاہدات سے انہیں کچھ نہیں
مل سکتا۔ انھیں بالکل غلط راستہ بتایا گیا ہے۔ (مدینہ بجنور یکم اگست ۱۹۳۲ء جلد ۲۱ ص ۴)

[ا]ین اینویل رجسٹر ۱۹۳۱ء صفحہ ۶۱ میں ہے۔

لندن کے بعض نمائندوں نے اشارہ کیا تھا کہ ان لوگوں (فرقہ وار لیڈروں) نے برطانیہ کے لیڈروں سے خفیہ سازش کر لی تھی۔ جن میں ممتاز ٹوری لیڈر لارڈ لائڈ لارڈ ہنفورڈ اور لارڈ سڈنہم اور دوسرے لوگ تھے۔ جب کبھی کمزوری یا شکست کے آثار نمودار ہوتے تھے تو ٹوڑی فرقہ وار لیڈروں کی پوری پوری حمایت کرتے تھے۔ مثلاً جبکہ فرقہ وار لیڈروں کی شکست کے آثار ظاہر ہونے لگے تو اس موقعہ پر اعانت کرنے کے لئے عین وقت پر جیسا کہ پہلے طے ہو چکا تھا سر غزنوی لندن پہنچ گئے

اس قسم کے معاہدہ کی کوئی حقیقت رہی ہو یا نہ رہی ہو لیکن ہم یہ دیکھتے [ہ]یں کہ مسلمان نمائندے اس پر اڑے رہے کہ جبتک ان کے تمام فرقہ وارانہ مطالبات [پ]ورے نہ کر لئے جائیں اور مفادات خصوصیہ کا تحفظ پورے طور پر نہ کر دیا جائے۔ وہ [ف]یڈریشن یا کسی مرکزی اختیارات سے کوئی تعلق نہ رکھیں گے۔ نیز وہ کسی حال میں [ب]ھی کسی ثالث کے سامنے یا جوڈیشل ٹریبونل کے سامنے اپنا قضیہ پیش کرنے [کے] لئے تیار نہیں ہوئے۔ جب مہاتما جی نے سوائے مسلمانوں اور سکھوں کے [با]قی تمام اقلیتوں کو مخصوص نمائندگی دینے سے انکار کر دیا تو تمام اقلیتوں نے [م]سلمانوں کے) جارحانہ اور مدافعتی اقدامات کرنے کے لئے آپس میں [معاہدہ ق]ائم کر لیا۔ اُنکے متفقہ بل آف رائٹس (حقوق کا بل) میں یہ بے سود اور مضحکہ [خیز] کوشش کی گئی تھی کہ اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کر دیا جائے۔

خلاصہ یہ کہ یہ بیانات صاف طور پر بتلا رہے ہیں کہ ان لیگی اور مسلم کانفرنسی

نمائندوں نے انتہائی غلطی کی کہ ان اقلیتوں سے معاہدہ کرلیا اور ان لوگوں کی پشت پنا
کرنے گئے۔ جن کو ان سے کوئی سروکار نہ تھا اور نہ اسکے لئے بھیجے گئے تھے اور نہ
سے منوائے پردہ ہندوستان میں کوئی تبدیلی کام کرسکتے تھے اور نہ اُن کی تا
وتقویت سے ان کو معتدبہ فائدہ حاصل ہوسکتا تھا اور گاندھی جی کی قبولیت
جسکو وہ کانگریس اور نیشنلسٹ مسلمانوں سے منوا دینے کا وعدہ کرچکے تھے۔
پشت ڈال بیٹھے۔ غور کیجئے کہ کس قدر عظیم الشان غلطی نادانستہ یا دانستہ ا
نے (یعنی مسٹر جناح اور انکے ساتھی لیگیوں اور مسلم کانفرنسیوں نے) کی ہے۔
کسی طرح قابل واگذاشت و درگذر نہیں ہے۔ اگر گاندھی جی اور کانگریس۔
معاہدہ ہوجاتا اور جیسا کہ مسٹر جناح کا بیان ہے کہ "لبرل، غیر برہمن، اچھ
یوروپین، انگلو انڈین سب لوگ ان تجاویز کو قبول کرنے کے لئے تیار تھے
صرف مہاسبھا کی مخالفت کیا کرسکتی تھی۔ وہ کوئی اثردار جماعت کانگریس
مقابلہ میں نہیں ہے۔ اس سے بڑھ کر غلطی کیا ہوسکتی ہے۔

پانچویں سیاسی غلطی

مسلمان مندوبین گول میز کانفرنس میں اس لئے بھیجے گئے تھے۔ کہ
مسلمانوں کے چودہ مطالبات منوائیں اور تاکیدی طریقہ پر عہد لیا گیا تھا کہ
تک یہ مطالبات منظور نہ ہوجائیں وہ کسی بات میں حصہ نہ لیں۔ (دیکھو تجاو
کانفرنس منعقدہ سنہ ۱۹۲۹ء دہلی زیر صدارت ہز ہائنس سر آغا خاں)
اسلئے ان کا فریضہ تھا کہ (الف) وہ اپنی پوری کوشش ان مطالبا
کے منوانے میں صرف کریں۔ (ب) کسی قسم کی سستی یا بے توجہی یا ایسی شا

راہ نہ دیں جن سے ان کی کامیابی میں نقصان پڑے (ج) وہ کوئی ایسی بات ہرگز
ل نہ کریں جو ان کے مطالبات کے خلاف اور مسلمانوں کے لئے عذر رساں ہو۔
) جب تک مطالبات کی منظوری نہ ہو جائے شرکت کانفرنس اور بحث مباحثہ
ے بالکل علیحدہ رہیں۔ (ہ) اگر مطالبات قبول نہ ہوں تو واپس آجائیں۔ (و)
وئی ایسی بات نہ کہیں جس کی ان کو اجازت نہ تھی اور وہ مسلم مفاد یا ملک کے
د کے مخالف ہو۔

مگر افسوس کہ ایسا عملدر آمد نہیں کیا گیا بلکہ بالکل خلاف عمل میں لایا گیا
وہ سب کچھ کیا گیا جو نہ ہونا چاہئے تھا۔ اور وہ سب کچھ کہا گیا جو نہ کہنا چاہئے تھا
روزنامہ انقلاب (جو کہ مسٹر جناح اور لیگ کا انتہائی شیدائی بلکہ دونوں)
جاری ہے) اپنے مقالہ افتتاحیہ جلد ۶ عدد ۲۰۹ مورخہ ۳۰ جنوری ۱۹۳۲ء میں لکھتا
ہے۔ بعنوان مسلم مندوبین مسٹر جینا کی موشگافی

۱ نومبر کو مسلمانوں نے یہ راستہ اختیار کیا کہ مسلم کانفرنس کے فیصلہ کے
مطابق اگرچہ وہ مباحثہ میں حصہ نہیں لے سکتے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں
وہ فیڈرل سٹرکچر کمیٹی کے اجلاس میں بیٹھ بھی نہیں سکتے۔ اس حد
ک ہمیں معلوم ہے یہ موشگافی مسٹر جینا نے کی تھی۔ (۱۶ - نومبر سے ۲۶ -
مبر تک مسلم مندوبین کمیٹی میں جسماً شریک رہے اور نطقاً عدم شریک)
۲ - نومبر کو مسلمانوں کی طرف سے مسٹر جینا نے ایک مختصر سی تقریر کی۔
جس کا مفاد یہ تھا کہ مسلمان صوبجاتی خود اختیاری حکومت اور مرکزی ذمہ داری
[illegible] گے" حالانکہ مسلم مندوبین کے طے کردہ اصول کے مطابق

کسی مسلم مندوب کو اس قسم کا کوئی اعلان کرنے کا حق نہ تھا اور یہ اعلان اصولاً مسلم کانفرنس کے بورڈ کی قرارداد کے صریح خلاف تھا لیکن جس حد تک ہمیں معلوم ہے۔ مسلم مندوبین نے (جن میں سے علامہ اقبال، شیخ داؤدی، مولانا شوکت علی، چودھری ظفراللہ خاں، سر سلطان احمد، سر علی امام کے سوا تمام اصحاب موجود تھے۔) مسٹر جینا کے اس اعلان سے برات کا اظہار نہ کیا اور اس طرح سب نے مسلم کانفرنس کے بورڈ کی قرارداد کی مخالفت کی۔

مذکورہ بالا تحریر کے بعد مدیر انقلاب چند سید ھے سادھے سوالات زیر عنوان مندرجہ ذیل عبارت لکھتا ہے۔

(۱) کیا مسلم مندوبین کا یہ فیصلہ درست تھا کہ جسمانیڈ ل اسٹرکچر کمیٹی کے اجلاس میں شریک ہوں اور محض نطقاً شریک نہ ہوں۔

(۲) اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو مسلم مندوبین نے بورڈ کے فیصلہ کی خلاف ورزی کی اور ان کے اس فعل کی مذمت ضروری ہے۔

(۳) اگر یہ اجتہادی غلطی ہے تو اس کا اعلان ضروری ہے۔

(۴) ۲۶ر نومبر کو مسٹر جینا وغیرہ نے جو اعلان کیا اس کے لئے کیا وجہ جواز پیش کی جاسکتی ہے۔

(۵) اگر مسٹر جینا کا اعلان مسلم مندوبین کے فیصلہ کے خلاف تھا تو کمیٹی کے حاضر ممبران ڈاکٹر شفاعت احمد خاں، مسٹر اے۔ ایچ غزنوی

(۶) ۲۶ نومبر کو مذکورہ بالا اعلان کے بعد مسلم ڈیلی گیشن کے باقی ممبروں نے کیوں اسکے خلاف اعلان نہ کیا۔

اگر ہمارے ڈیلی گیشن کو مسلم کانفرنس کے بورڈ کی قرارداد سے انحراف کرنا ہی تھا تو ضروری تھا کہ قوم کی کسی دوسری خواہش کے اتباع میں انحراف کیا جاتا لیکن ہمارے ڈیلی گیشن نے قومی فیصلہ سے بھی انحراف کیا اور ایک ایسے معاملہ میں انحراف کیا جسے مسلمان اپنے لئے ضروری سمجھتے تھے۔ یعنی ڈیلی گیشن نے دوہری غلطی کی۔ قومی حقوق کے تعلق میں دوہری معصیت سے کام لیا۔"

سر محمد اقبال مرحوم مسلم کانفرنس کے اجلاس لاہور مارچ ۱۹۳۲ء کے خطبہ صدارت میں ارشاد فرماتے ہیں۔ (گول میز کانفرنس میں مسلم ڈیلی گیشن کے کام کی مختصر سرگذشت)

جو چیز میرے لئے راز ہے اور جو شاید ہمیشہ راز رہے گی۔ وہ ہمارے رہنماؤں کا اعلان ہے جو ۲۶ نومبر کو فیڈرل سٹرکچر کمیٹی کے اجلاس میں کیا گیا۔ ۱۵ نومبر کو یعنی جس روز ہم نے ڈیلی گیشن سے بے تعلقی اختیار کی مسلمان مندوبین فیصلہ کر چکے تھے کہ وہ فیڈرل اسٹرکچر کمیٹی کے مباحث میں حصہ نہیں لینگے۔ پھر انھوں نے اپنے فیصلہ کے خلاف مباحث میں کیوں حصہ لیا۔ کیا فیڈرل سٹرکچر کمیٹی کے مسلم مندوبین کے ترجمان کو ۲۶ نومبر والا اعلان کرنے کا مجاز بنایا گیا تھا۔ میں ان سوالوں کا جواب نہیں دے سکتا۔ صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ مسلمان اس اعلان کو شدید غلطی سمجھتے ہیں۔ میرے پاس یہ یقین کرنے کے وجوہ موجود ہیں کہ بعض انگریز

مدبروں نے ہمارے رہنماؤں کو یہ غلط مشورہ دیا تھا کہ وہ برطانوی ہند
کے صوبوں میں ذمہ دار حکومتوں کے فوری نفاذ کی مخالفت کریں۔ اور مسلم
ڈیلی گیشن سے علیحدگی اختیار کرنے سے چند روز پیشتر ہی میرے دل میں
اس قسم کے شبہات پیدا ہو چکے تھے۔ حال میں لفٹیننٹ کمانڈر کنوردی
نے بھی یہی رائے ظاہر کی ہے فرماتے ہیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض
انگریز سیاست دانوں نے لندن میں اعتدال پسند رہنماؤں (مسلمان)
کو یہ خراب مشورہ دیا تھا کہ وہ صوبہ جاتی خود مختاری بڑی قسط کو مسترد کردیں
افسوس کہ یہ مشورہ بلا تامل قبول کر لیا گیا۔ اعتدال پسند رہنماؤں سے
کمانڈر کنوردی کا اشارہ ہندو لبرلوں کی طرف نہیں بلکہ مسلمان اعتدال
پسندوں کی طرف تھا" (الجمعیۃ جلد ۱۵ ۲۳ مورخہ ۲۶ مارچ ۱۹۳۲ء)

نیز اس خطبۂ صدارت میں ڈاکٹر اقبال مرحوم فرماتے ہیں:۔

انگریزوں نے ذمہ لیا تھا کہ اگر دوسری گول میز کانفرنس کے بعد مختلف
قوموں کے نمائندے ہندوستان واپس جا کر فرقہ وار مسئلہ کا کوئی باہمی
تصفیہ نہ کر سکے تو وہ اس کا ایک عارضی فیصلہ کر دیں گے۔ چونکہ انگریز ہندوستان
کی متخالف قوموں کے درمیان توازن قائم رکھنے کے لئے ایک ثالث کی
حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لئے اس حیثیت سے ان کا وعدہ بالکل مناسب
تھا۔ لیکن حکومت برطانیہ کا موجودہ رویہ مظہر ہے کہ وہ ہندوستان میں
غیر جانبدار ثالث کی حیثیت سے عامل رہنے کی نیت نہیں رکھتی۔ اور
بالواسطہ گویا ہندوستانی اقوام یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک قسم کی خانہ جنگی

کی طرف لے جا رہی ہے۔ جو محض اس غرض سے انگریزوں نے اختیار کر رکھی ہے کہ ہندوستان میں اپنی پوزیشن کو سہولت کے ساتھ قائم رکھ سکیں مسلمانوں کے لئے اب دو ہی راستے ہیں۔ اپنا فرض ادا کر دیا مر جاؤ۔ مسلمانوں کی موجودہ حکمت عملی سے انگریزوں کی مشکلات تو دور ہو گئی ہیں لیکن مسلمان قوم کیلئے کوئی مفید نتیجہ مترتب نہ ہو سکا۔" (الجمعیۃ ۲۸ مارچ ۱۹۳۲ء)

اخبار انقلاب لاہور دوسری جگہ لکھتا ہے:۔

اولاً وہ فیصلہ کرتے ہیں کہ گول میز کانفرنس کے کام میں بلا تصفیہ حقوق حصہ نہیں لیں گے۔ کم و بیش پندرہ دن تک کانفرنس اس فیصلے کی پابندی کی وجہ سے ملتوی رکھتے ہیں۔ پھر اس فیصلہ کو بدل کر یہ راستہ اختیار کرتے ہیں کہ کانفرنس میں جسماً شریک ہوں گے نطقاً شریک نہ ہونگے۔ آخر میں نطقاً بھی شریک ہو جاتے ہیں اور اُس وقت وہ باتیں کہتے ہیں جو نہ کہنی چاہیئے تھیں اور جو مقاصد اسلامی اور اقلیتوں کے مقاصد کے منافی تھیں اور ہندوؤں کے مقاصد کے موافق۔

(مدینہ بجنور۔ یکم فروری ۱۹۳۲ء جلد ۲۱ ۔۹۔ از انقلاب لاہور)

مدینہ بجنور مورخہ ۲۱ جنوری ۱۹۳۲ء ڈیلی گیشن مذکور کی کارروائیوں پر [بحث] کرتا ہوا لکھتا ہے:۔

"گول میز کانفرنس کے گذشتہ اجلاس میں زیادہ تر مسلم کانفرنس کے ارباب اختیار کو شرف رکنیت حاصل ہوا تھا۔ مسلم کانفرنس نے گول میز کانفرنس کے متعلق یہ فیصلہ کیا تھا کہ جبتک اُس کے مطالبات کو حکومت

تسلیم نہ کرے گی۔ اُس وقت تک مسلم نمائندے فیڈرل کمیٹی کے مباحث میں شریک نہیں ہونگے۔ مسلم ارکان نے اپنی تقریروں اور تحریروں میں اس فیصلہ کی پابندی کا وعدہ بھی کیا تھا۔ لیکن ہماری گردن شرم کے مارے یہ خیال کرکے جھک جاتی ہے کہ ان ارکان نامدار نے اپنے عہد کی پابندی کا نہایت مکروہ مظاہرہ کیا۔ وہ نہ صرف یہ کہ گول میز کانفرنس کی مجلس اقلیات اور مجلس وفاق میں شریک ہوئے۔ بلکہ انھوں نے حقوق اور مطالبات کو منظور کرانے کے لئے کوئی مؤثر اور نتیجہ خیز کوشش بھی نہیں کی۔ انھوں نے فیڈرل کمیٹی میں گونگوں کی حیثیت سے شرکت کی وزیراعظم کے اعلانات کو ٹکر ٹکر دیکھا۔ وزیر ہند کے ساتھ دعوتیں کھائیں یورپینوں کے ہاتھ اسلامی حقوق کی پوری دستاویز بیچدی اور ملت اسلامیہ کے لئے نہیں صرف اپنے اور اپنے خاندانوں کے لئے عہدے اور کونسلوں کی ممبریاں حاصل کر لینے کی کوشش کی۔"

صرف یہی امور مذکورہ بالا نہیں بلکہ اور بھی ایسے اعمال اختیار کئے گئے۔ جو کامیابی کی راہ میں سدِ سکندری ہو گئے۔ مثلاً مولانا شفیع صاحب داؤدی اور ڈاکٹر سر اقبال اُس وقت تک ہندوستان سے روانہ ہی نہیں ہوئے جب تک فیڈرل کمیٹی کا اجلاس شروع نہیں ہو گیا۔ مولانا شوکت علی (مرحوم) روانہ تو پہلے ہوئے لیکن قاہرہ میں اُتر گئے۔ پھر فلسطین چلے گئے اور پھر ٹینڈ تشریف لے گئے اور سلطان عبدالمجید کی صاحبزادیوں کے عقد نکاح کا مسئلہ طے کرتے رہے۔ حالانکہ اس سے زیادہ اہم مسائل لندن میں معرض بحث

میں تھے۔ بعض حضرات مارسیلز کی سیر و تفریح میں مصروف رہے۔ جو حضرات لندن میں موجود بھی تھے۔ اُن کو مضافات لندن کی رعنائیوں ہی نے شرکت کانفرنس کی فرصت نہ دی۔ جس کی وجہ سے ابتدائی اجلاسوں سے تقریباً سب غیر حاضر رہتے ہیں پھر لندن کی فیڈرل کمیٹی کے اجلاس میں جب شریک ہوئے تو صرف ہلکی سی صدائے احتجاج بلند کرنے کے سوائے کچھ نہ کیا پھر حسب بیان انقلاب پندرہ روز تک کانفرنس کے کام کو ملتوی رکھا۔ لیکن جب لارڈ سینکی نے لال بھبوکا ہو کر اور آنکھیں پیلی کر کے کہا کہ انشاءاللہ میں اس وقت تک زندہ رہونگا کہ تم کو فیڈرل کمیٹی میں آکر شریک ہوتے ہوئے دیکھ لوں وہ بھیگی بلی بنے ہوئے جا کر شریک ہوئے تو قدامت پسندوں کی انگلیوں پر ناچنا شروع کردیا اور یہ سمجھتے رہے کہ برطانوی حکومت کی حکمت عملی ہمارے ہاتھ میں ہے۔ (مختصر از مدینہ بجنور یکم فروری ۱۹۳۲ء)

حضرات! ان واقعات صحیحہ پر غور فرمائیں کہ مسٹر جناح اور دیگر نمائندگان لیگ و مسلم کانفرنس کے مذکورہ بالا کارنامے اور ۲۶ نومبر کا ان کا اعلان برائے تاخیر حکومت خود اختیاری صوبجات اور رجعت پسند انگریزوں کے مشوروں پر عمل پیرا ہونا اور دیگر اس قسم کے امور کیا انتہائی غلطیاں سیاست کے میدان کی نہیں ہیں جو کہ اگر دانستہ ہیں تو ملک اور قوم مسلم کے ساتھ عظیم الشان غداریاں ہیں۔ اور اگر نادانستہ ہیں تو انتہائی حماقتیں اور بھولا پن ہے۔ ایسے اشخاص کو کب درست ہے کہ وہ رہنمائی کے میدان میں قدم رکھیں اور قوم اور ملک کیلئے کب درست ہے کہ ایسے لوگوں کی رہنمائی قبول کریں۔

چھٹی سیاسی غلطی

یہ نمائندگان لیگ اور مسلم کانفرنس جن میں خصوصی طور پر وہ حقوقی جماعت ہے اور بالاخص وہ پارٹی جو کہ اقلیتوں سے بحث و مباحثہ اور تسلیم حقوق و فیصلہ کے لئے منتخب کی گئی تھی۔ جس کے ارکان اعلیٰ میں سے مسٹر جناح اور سر آغا خاں ہیں اقلیتوں سے گفت و شنید اور بحث و مباحثہ کرتے ہیں اور بالآخر ایسے محضر اور دستاویز پر دستخط کر دیتے ہیں جس میں نہ صرف لیگ اور مسلم کانفرنس کے مطالبات کی صریح خلاف ورزی ہوتی ہے بلکہ مسلم قوم اور ملک ہند کی غلامی کی کڑیاں اور زیادہ کس دی جاتی ہیں اور سب کے سب بربادی کے دلدل میں ہمیشہ کے لئے پھنس جاتے ہیں۔ اقلیتوں بالخصوص یورپینوں اور عیسائیوں کا بول نہایت بالا ہو جاتا ہے اور مسلمانوں کے لئے فلاکت اور مصائب کے پُرخطر دروازے کھل جاتے ہیں۔ اور ہندو سبھائیوں کے مقاصد پورے ہو جاتے ہیں۔

روزنامہ انقلاب مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۳۲ء اقلیتوں کے معاہدہ کی مفصل تاریخ کے عنوان پر کرنیل سر ہنری گڈنی کی تصریحات کا طویل بیان لکھتا ہے جسکا آخری اقتباس حسب ذیل ہے۔

"سر آغا خاں نے ہمیں مطلع کیا کہ وہ ہماری تجاویز کو مسلم پارٹی کے سامنے پیش کر دیں گے۔ اگلے روز میں نے گول میز کانفرنس کے نمائندوں کے یورپین گروپ سے ملاقات کی اور اپنی کارروائی سے مطلع کیا اور ایک معاہدہ کے مسودہ پر سر ہربرٹ کے ساتھ بحث کی اور اسکے بعد بعض دوسرے لوگوں

کے ساتھ مشورہ کیا۔ مسلمانوں نے اپنے ایک جلسہ میں اس معاملہ پر بحث کرکے مجھے اس موضوع پر مفصل یادداشت بھیجنے کے لئے کہا۔ میں نے ایسا ہی کیا اور اسکے بعد پھر سر ہربرٹ کار سے گفتگو کی۔ اب یوروپین گروپ، انگلو انڈین، ہندوستانی عیسائی اور اچھوتوں کے نمائندے متحد ہو چکے تھے۔ اور مسلمان ہمارے اجتماعی خیالات سننے کے لئے بے تاب تھے۔ چنانچہ سر ہربرٹ نے رٹز ہوٹل میں ایک جلسہ کا انتظام کیا۔ کیونکہ اب تمام معاملہ انھوں نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ اس طرح کئی متعدد جلسوں اور بے حد بحث و تمحیص کے بعد ہم نے ۱۱ نومبر ۱۹۳۱ء کو اقلیتوں کے معاہدہ پر دستخط کر دیئے اور ۱۲ نومبر کو یہ معاہدہ وزیر اعظم کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ ۱۳ نومبر کو ہز ہائنس سر آغا خاں نے اس کو رسمی طور پر مینارٹی سب کمیٹی میں پیش کیا اور اس پر بحث ہوئی۔ یہ اس دستاویز کی مختصر تاریخ ہے جو اب اقلیتوں کے معاہدے کے نام سے مشہور ہے۔"

حضرات! غور فرمائیں کہ سر اقبال ۱۵ نومبر کو ڈیلی گیشن سے قطع تعلق کرتے ہیں اور ہنری گڈنی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ مسلمانوں سے بحث و مباحثہ بے حد درجہ کا پہلے سے جاری تھا جیسا کہ ہم پہلے ریوٹر کے تار مورخہ ۳۰ اکتوبر میں ذکر کر چکے ہیں کہ مسلمانوں نے اقلیتوں سے گفتگو شروع کر دی ہے۔ مگر ۱۱ نومبر کو سب کا اتفاق ہو کر دستخط ہو گئے تھے جس سے صاف ظاہر ہے کہ سر اقبال شفیع داؤدی، مولانا شوکت علی وغیرہ بھی سب کے سب اس میں شریک تھے۔ بہر حال ان حضرات نے اس معاہدہ پر دستخط کئے جو کہ ایسی جماعت کا بنایا ہوا تھا۔ جو کہ

ہندوستانی آزادی کی بدترین دشمن ہے اور جس میں مسلم حقوق اور ہندوستانی فلاح و بہبود کی انتہائی پامالی تھی، دستخط کر دیئے ۔ اس میں صاف صاف مسلم اکثریت کو بنگال و پنجاب میں اقلیت میں لانا منجملہ دیگر ضرر رساں امور کے تسلیم کئے گئے تھے ۔ چنانچہ اس سے پہلے ہم انڈین اینول رجسٹر ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۶ سے نقل کر چکے ہیں ۔ "ان کے بل آف رائٹس میں یہ بے سود اور مضحکہ انگیز کوشش کی گئی تھی کہ اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کر دیا جائے"۔

اسی بناء پر انقلاب لاہور مورخہ ۲۶ر فروری ۱۹۳۲ء اپنے ایک طویل مقالہ میں زیر عنوان (مرکزی دستوری کمیٹی کے مسلم ممبروں کے نامۂ اعمال) مندرجہ ذیل الفاظ لکھتا ہے ۔

ان حالات میں اگر ہم یہ کہیں کہ مسلم ممبروں نے قوم کے ساتھ قوم کے حقوق کے ساتھ اور قوم کے مفاد کے ساتھ غداری کی تو یہ لوگ روئیں گے کہ انقلاب بے انصافی کر رہا ہے ۔ لیکن ہمارے لئے اس فعل کو کھلی ہوئی غداری قرار دینے کے سوا چارہ نہیں ۔ ان کی نیتیں نیک ہیں تو ہوں ۔ ملت کو اس نیکی کی پوجا سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا ۔ البتہ اس فعل کی بدی اور برائی سے ہولناک نقصانات کا دروازہ اس کے منہ پر کھل گیا ہے ۔ خدا ایسے نیک نیت خادمان ملت کی بلا سے نہیں تو کم از کم ان کی ایسی خدمت کی بلا سے ہر قوم کو محفوظ رکھے ۔

افسوس کہ انقلاب ان دنوں انہیں اپنے منہ بولے غداران ملت اور انکی غدارانہ خدمتوں کی روزانہ صبح و شام تسبیح پڑھ رہا ہے اور اپنے پہلے مقالات اداریہ

اُن کے اعمال کو بھول گیا ہے۔

مدینہ بجنور مورخہ ۵ جنوری ۱۹۳۲ء اقلیتوں کے معاہدہ کے بارے بحث کرتا ہوا لکھتا ہے:۔

"مثلاً سب سے اول وہ محضر غلامی ہے جو اقلیتوں کے مطالبات پر مشتمل ہے۔ اس میں مسلمان ارکان کانفرنس نے ہندو راج کے وہمی خطرے سے بچنے کے لئے انگریزی غلامی اور یورپینوں کے اقتدار کی حقیقی مصیبت بطیب خاطر قبول کرلی۔ صوبہ سرحد کو پامال کردیا سندھ کی مشروط علیحدگی گوارا کرلی۔ فیڈرل گورنمنٹ کا گلا گھونٹ دیا۔ پنجاب و بنگال کی اکثریت فنا کردی۔ حریت طلبی کے ادعا کو رسوا کردیا۔ مسٹر میکڈانلڈ کے قدموں پر سر رکھدیا اور اسلام کے نام پر ملک و ملت دونوں سے غداری کی"

نیز مورخہ ۲۱ جنوری ۱۹۳۲ء میں اراکین نمائندگان مذکورین کے اعمال پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

انھوں نے ایک محضر غلامی پر جسے یورپینوں نے تیار کیا تھا اپنے دستخط ثبت کردیئے اور اس طرح اُن دعاوی کو جنھیں دھراتے ہوئے ہندستان میں ان کی زبانیں خشک ہوگئی تھیں اور ان کے منحوس گلے خود بیٹھ گئے تھے پامال کردیا انھوں نے صوبہ سرحد کو قربان کردیا۔ صوبہ سندھ کے گلے پر چھری پھیردی۔ پنجاب و بنگال کی آئینی اکثریت قائم کرنے کے دعاوی کو خود جھٹلایا۔ الغرض بجز جداگانہ انتخاب کے جسکا فائدہ صرف ان رجعت پسندوں کی ذات کے سوا ملت اسلامیہ کو قطعاً نہیں پہنچ سکتا۔ کوئی

چیز حاصل نہ کی۔ خود ڈاکٹر شفاعت احمد خاں کا بیان ہے کہ ان کی جماعت حصول مطالبات میں بالکل ناکام رہی۔ لیکن اب سوال یہ ہے کہ لندن میں مسلمانوں کے ان خود غرض اور خود پرست نمائندوں نے خود اپنے دعاوی کے ساتھ جو غداری کی تھی کیا وہ ہندوستان میں بھی ہماری آنکھوں کے سامنے اسے جاری رکھیں گے۔"

نیز مدینہ بجنور مورخہ یکم فروری ۱۹۳۲ء جلد ۲۱ نمبر ۹ صفحہ ۲ میں لکھتا ہے:۔

لیکن ان سب سے زیادہ مکروہ طرز عمل ان تعاونیان کرام کا یہ تھا کہ جب گاندھی جی نے مسلمانوں کے چودہ کے چودہ مطالبات منظور کرنے پر آمادگی کا اظہار کر دیا تو ان احمق اور فریب خوردہ حضرات نے اچھوتوں کی حمایت کا بیڑا اٹھالیا۔ حالانکہ ہندوستان سے وہ صرف یہ عہد کر کے چلے تھے کہ وہ مسلمانوں کے مطالبات کی تکمیل کرائیں گے۔ ان سے کسی شخص نے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ اچھوتوں کے حقوق کے محافظ بھی بن جائیں ان کا دعوی حقوق مسلمین کے تحفظ کا تھا اور ان کا ہرگز ہرگز یہ حق نہیں تھا کہ وہ اپنے کمزور اور بودے کندھوں پر دنیا بھر کی اقوام کے حقوق کے تحفظ کا بوجھ بار کر لیں۔ اس کے معنے تو اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتے کہ انھوں نے دانستہ اسلامی حقوق کی راہ میں روڑے اٹکائے اس احمقانہ طرز عمل کی جو قیمت انکو ملی وہ انکے طرز عمل سے بھی زیادہ شرمناک ہے۔ وہ یورپینوں کے ہاتھوں پر بک گئے اور ایک ایسے محضر غلامی پر دستخط کر دیئے جس میں اپنے مطالبات کا تو گلا گھونٹ ہی دیا گیا تھا مقصد آزادی وطن کو بھی پامال کر دیا گیا۔ اور

غیر ملکیوں کو تجارتی استیلا، اور زائد از زائد حقوق آبادی دیدیئے گئے تھے اور مسلمانوں کے لئے صرف کونسل کی چند نشستیں، چند ملازمتیں اور چند اعزاز قبول کرلئے ارباب حقوق کا طرز عمل شروع سے آخر تک عدم تدبر، تنگ نظری، غیر سیاست دانی، دل و دماغ کی بے مائگی اور خلاف ورزی عہد و مسلک کی ایک نہایت المناک مثال پیش کرتا ہے۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ وہ زبان سے حقوق حقوق کا شور مچاتے رہے۔ دوسرے لوگوں کو گالیاں دیتے رہے۔ باعمل اور صائب الرائے مسلمانوں کو غدار بناتے رہے اور خود تصفیہ حقوق کی ہر کوشش کو ناکام کرتے رہے۔"

یہی وجہ ہے کہ مولانا حسرت موہانی بدایونی ۲ ر نومبر ۱۹۳۱ء کو مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں اپنی صدارت مسلم کانفرنس سے استعفا دے بیٹھے جس کو مندرجہ ذیل الفاظ سے مدینہ بجنور ۹ ر نومبر ۱۹۳۱ء جلد ۲۰ نمبر ۸۰ ذکر کرتا ہے

"بدایون ۲۔ نومبر۔ آل انڈیا مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کا اجلاس یہاں کل منعقد ہوا مجلس کے سامنے سب سے اہم مسئلہ اسکے منتخب شدہ صدر مولانا حسرت موہانی صاحب کے استعفے کا تھا جنھیں یہ شکایت ہے کہ کانفرنس ان تجاویز پر قائم نہیں ہے۔ جو اس نے خود اپنے اجلاسوں میں منظور کی ہیں اور اسکے اراکین جو گول میز کانفرنس میں ہیں کامل آزادی کے دعوے کو ترک کر کے مستعمراتی حکومت اور اس سے بھی بدتر نظام اساسی کو منظور کر رہے ہیں"

مندرجہ بالا بیانات صاف اور کھلی روشنی ڈالتے ہیں کہ حضرات لیگ اور

مسلم کانفرنس جن میں ہز ہائنس سر آغا خاں اور مسٹر جناح بھی ہیں۔ ایسی ایسی حرکات کے وہاں مرتکب ہوئے ہیں جن پر ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کا مسلمان بھی افسوس اور ملامت کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ساتویں سیاسی غلطی

مندرجہ بالا امور بتلاتے ہیں کہ لندن وغیرہ سے شائع ہونے والے وہ بیانات جو کہ ان حضرات کی خفیہ سازشوں اور ٹوری انگریزوں کے ساتھ وفادارانہ رازو نیاز اور اپنے اپنے لئے عہدوں اور خود غرضیوں کے افسانے ہیں۔ وہ افسانے ہی نہیں ہیں۔ بلکہ واقعات ہیں۔ مثلاً رپوٹر لندن سے یکم نومبر کو تار دیتا ہے:۔

"معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں نے کانگریس کے تحفظات سے اختلاف کا اظہار کیا ہے اس سلسلہ میں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں نے قدامت پسند انگریزوں سے یہ خفیہ معاہدہ کیا ہے کہ وہ مسلمانوں سے تحفظات منظور کرالینگے جو برطانوی اقتدار کو قائم رکھیں گے اور جواب میں کنزرویٹو انگریز مسلم مطالبات کی حمایت کرینگے۔" (مدینہ بجنور ۵ نومبر ۱۹۳۱ء جلد ۲۰ نمبر ۹۰)

اخبار بمبئی کرانیکل کے خاص نامہ نگار مقیم لندن نے یہ عجیب وغریب لیکن نہایت اہم خبر بھیجی ہے۔

"شاہنشاہیت پرست برطانوی مدبرین کو جب گاندھی جی کے نرم رویہ کی وجہ سے گاندھی جی اور والیان ریاست کو لڑانے میں ناکامی ہوئی تو اب وہ مسلمانوں کو اپنے مقصد کا آلہ بنا رہے ہیں۔ انھوں نے مسلمان مندوبین

کو واسطے متحد کر لیا ہے کہ وہ کامل آزادی کے حصول میں گاندھی جی کی کوششوں کو ناکام کر دیں۔ (مدینہ بجنور ۲۸ ستمبر ۱۹۳۱ء جلد ۲۰ ص ۶۹)

بمبئی کرانیکل نے اسی تاریخ کو یہ بھی خبر دی کہ:-

"لوگوں کا خیال ہے کہ سر فضل حسین شملہ سے بیٹھے بیٹھے یہاں کے مسلم مندوبین کو ہدایات دے رہے ہیں۔ جنہوں نے متفقہ طور پر یہ طے کیا ہے کہ وہ ہندو مسلم کے تصفیہ میں اپنی طرف سے کوئی تحریک نہ کریں گے"۔

(مدینہ بجنور ۲۸ ستمبر ۱۹۳۱ء)

ین انیول رجسٹر ۱۹۳۱ء صفحہ ۶۱ پر لکھتا ہے:-

"لندن کے بعض نمائندوں نے اشارہ کیا تھا کہ ان لوگوں (فرقہ وار لیڈروں) نے برطانیہ کے ٹوری لیڈروں سے خفیہ سازش کر لی تھی۔ جن میں ممتاز ٹوری لیڈر لارڈ لائڈ، لارڈ بنفورڈ، لارڈ سڈنہم اور دوسرے لوگ تھے۔ جب کبھی کمزوری یا شکست کے آثار نمودار ہوتے تھے تو ٹوری فرقہ وار لیڈروں کی پوری پوری حمایت کرتے تھے"۔

ان بیانات نے صاف طور پر بتلا دیا کہ سر اقبال مرحوم کا یہ فرمانا کہ "یہ چیز میرے لئے راز ہے اور ہمیشہ راز رہے گی۔ وہ ہمارے رہنماؤں کا اعلان ہے جو ۲۶ نومبر کو فیڈرل سٹرکچر کمیٹی کے اجلاس میں کیا گیا"۔ اس کی حقیقت کیا تھی؟ — جس کو انھوں نے بعد کو بعض سیاست داں انگریزوں کے مشورہ دینے اور اس کو بلا تامل مان لینے کو ذکر کیا ہے۔ جس کو ہم پہلے کر چکے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان حضرات کا یہ عمل کیا صریح خیانت اور غداری
اور کیا اس سے بڑھ کر کوئی غلطی ہو سکتی ہے۔ اور کیا ٹوری انگریزوں سے مل
اور اُن کی آرا پر عمل کرنا ہندوستان اور بالخصوص مسلمانان ہندوستا
لئے انتہائی خطرناک عمل نہیں ہے۔ اس وقت ہم کو ڈاکٹر کچلو کا وہ بیان جو
نے امرتسر سے یکم جون ۱۹۴۳ء میں دیا تھا' یاد آتا ہے۔ اور اُس کی
تصدیق ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

"ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے ایک انٹرویو میں مسلم لیگ اور مسٹر جنا
سے اپنے ماضی کے تعلقات کے متعلق بتلایا کہ میں مسٹر جناح کو مدت
جانتا ہوں اور واقعہ یہ ہے کہ دو سال تک میں مسلم لیگ کا سکرٹری
جب کہ مسٹر جناح اس کے صدر تھے۔ مگر اُس وقت مسلم لیگ کانگریس
کے شانہ بشانہ کام کر رہی تھی۔ قومی آزادی اور مشترکہ انتخابات اس
کے پروگرام کے دو اہم جزو تھے۔ دو سال تک سکرٹری رہنے سے مجھ
لیگ کے کام کا کافی تجربہ ہوا۔ اور اُس کے اکثر ممبروں سے ربط رکھ
سے مجھے یہ یقین ہو گیا کہ اگر کسی وقت بھی گورنمنٹ اپنے مقاصد کو حاصل
کرنا چاہے تو وہ اس کے ممبروں پر اثر انداز ہو سکتی ہے اور اس
ممبروں کی اکثریت لیگ کو چھوڑنے کے علاوہ اس کے لیڈروں کی
اور پالیسی کے خلاف بھی کام کر سکتی ہے۔ اگر دوسری فرقہ پرست
جماعتوں میں بھی یہی حال ہو تو کوئی حیرت کی بات نہیں"

(مدینہ بجنور ۵ رجولائی ۱۹۴۳ء)

مسلمانوں کو چاہیے کہ غور کریں اور اپنے حال و مستقبل کی اصلاح کریں۔
وکہ میں نہ پڑیں۔ ہم انشاء اللہ پاکستان کے متعلق بھی دکھلائیں گے۔ کہ
بھی اس قسم کے درخت کا ایک پھل ہے۔ جو دیکھنے میں خوشرنگ معلوم ہوتا ہے
اندر سے زہر بھرا ہوا ہے۔

آٹھویں سیاسی غلطی

دوسری گول میز کانفرنس کے اخیر میں جبکہ مسلمان نمائندے یوروپین ایسوسی
ن اور دوسری اقلیتوں کے ساتھ معاہدہ کرکے محضر پر دستخط کر دیتے ہیں
پھر سر آغا خاں اس کو وزیر اعظم مسٹر میکڈانلڈ کو سپرد کر دیتے ہیں۔ ادھر
سبھائی ہندو مسٹر میکڈانلڈ کو اپنا فرقہ وارانہ معاملہ سونپ دیتے ہیں
فریقین اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے آتے ہیں تو کچھ عرصہ کے بعد
یر اعظم کا فیصلہ کمیونل ایوارڈ (فرقہ وارانہ فیصلہ) ہندوستان میں پہنچا
ہے۔ جس میں مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں کی امیدوں کا خون کیا گیا
مسٹر میکڈانلڈ کی میٹھی میٹھی باتوں سے مہا سبھائی یہ امید باندھے
ئے تھے کہ ثالثی محضر میں ہماری پوری جنبہ داری ہو گی۔ اور مسلمان یہ یقین
ئے ہوئے تھے کہ جب کہ ہم نے یوروپین ایسوسی ایشن اینگلو انڈین ہندوستانی
عیسائیوں وغیرہ کی رضامندی کے ساتھ متفقہ محضر پیش کیا ہے تو ہمارے امید
میں کوئی کسر نہ ہو گی۔ مگر افسوس کہ کمیونل ایوارڈ کسی جماعت کو راضی نہ
سکا۔ چنانچہ ہر طرف سراسیمگی اور ناراضگی پھیل گئی۔ اس فیصلہ میں مسلمانوں
نقصان بہ نسبت ہندوؤں کے زیادہ تھا۔ بنگال میں مسلمانوں کو پہلے نہ کلا

اور پنجاب میں ۴۹ فیصدی سیٹیں دی گئی تھیں اور یورپینوں اور عیسا
کو جن کی آبادی بنگال میں ۰.۵ ہے۔ ۳۱ سیٹیں دی گئیں جو اُن کی آ
سے تقریباً پچیس گنا زائد تھیں۔ ظاہر ہے کہ اس قدر نشستیں یورپین ا
اور عیسائیوں کو دینا بجز اس کے نہیں ہو سکتا کہ ہندوؤں اور مسلمانو
کا پیٹ کاٹا جائے۔ چنانچہ یہی کیا گیا۔ اس پر مہاسبھائیوں نے بہ
داویلا کیا اور چونکہ کانگریس غیر جانبدار تھی۔ اس لئے اس میں افتراق
ہو گیا۔ حالانکہ ہندو بنگال میں پہلے ہی سے اقلیت میں تھے۔ اس فیصلہ
بھی ان کو اقلیت ہی میں رکھا گیا تھا۔ صرف اتنی بات تھی کہ ان کی
جس قدر آبادی اور آئینی طور پر اقلیت کی مقدار تھی۔ اس میں او
کر دی گئی۔ بہر حال وہ کسی طرح بنگال میں اکثریت حاصل کرنے کے
تھے۔ مگر مسلمان تو آبادی کی حیثیت سے اکثریت حاصل کرنے گ
تھے ان کو فیصلہ میں ساڑھے تین سیٹوں سے اقلیت میں لایا گیا تھا۔ ا
ان کا غصہ حق بجانب تھا۔ علی ہذا القیاس پنجاب میں اُن کی بحیثیت آ
۶ فیصدی اکثریت تھی۔ میثاق لکھنؤ میں اگرچہ ان کو گھٹایا گیا تھا۔
پچاس فی صدی نشستیں دی گئی تھیں۔ کیمونل ایوارڈ میں ان کو ۴۹
دیا گیا تھا۔ الغرض کیمونل ایوارڈ کے قبول کرنے میں مہاسبھائیوں کا نق
نہایت معمولی تھا اور مسلمانوں کا نقصان نہایت عظیم الشان تھا۔ ہند
کو اگر بنگال و پنجاب میں اقلیت میں رہنا پڑتا ہے تو یو۔ پی، بہار، مدرا
بمبئی میں اُن کی ہی اکثریت ان کی ہی وزارت انکی ہی حکومت تھی۔

مسلمانوں کی تو کہیں بھی آئینی اکثریت نہیں ہوسکتی تھی اور نہ وزارت قائم ہوسکتی تھی۔ اس لئے کمیونل ایوارڈ کے تسلیم کرنے میں مسلمانوں کا نقصان اُس وقت بہت ہی عظیم الشان تھا۔ مگر لیگ نے اس سب کو جانتے ہوئے کمیونل ایوارڈ کو قبول کرلیا اور عذر یہ ظاہر کیا کہ سبھائیوں کے پروپیگنڈے سے متأثر ہو کر کہیں حکومت ہماری سیٹوں میں اور کمی نہ کردے۔ چنانچہ مسٹر عبدالعزیز بیرسٹرایٹ لا لاہور صدر لیگ نے اپنے خطبہ اجلاس کلکتہ منعقدہ ۳۱ ر اکتوبر ۱۹۳۳ء میں فرمایا کہ "فرقہ وارانہ فیصلہ ثالثی منظور کرلیا جائے اور اسی اجلاس میں مندرجہ ذیل تجویز پاس ہوئی:۔

"اگرچہ فرقہ وارانہ فیصلہ کی رو سے مسلمانوں کو مرکز میں ایک ثلث نہیں ملا اور بنگال میں نشستیں کم ملیں۔ تاہم ہم اُس کا خیر مقدم کرتے ہیں۔"

(روشن مستقبل صفحہ ۴۲۱)

"پھر ۲۵ر نومبر ۱۹۳۳ء کو نئی دہلی میں مسلم لیگ کا تیسواں اجلاس بصدارت خان بہادر حافظ ہدایت حسین منعقد ہوا۔ جس میں قرار پایا کہ فرقہ وارانہ فیصلہ قائم رکھا جائے۔" (روشن مستقبل صفحہ ۴۲۲)

اب غور فرمائیے کہ ان دونوں حضرات کے فیصلہ سے جو کہ مسلم لیگ کے اُس وقت صدر تھے اور اجلاس کی تجویز سے مسلمانوں کی حق تلفی صوبہ بنگال اور پنجاب میں نہیں ہوئی اور کیا ان حضرات نے مسلمانوں کی آئینی اقلیت ہر دو صوبوں میں تسلیم کرکے انتہائی غلطی نہیں کی جس کی وجہ سے مسلمان اپنی وزارتیں بغیر دوسروں کے ملنے کے قائم نہیں کرسکتے اور نہ بغیر دوسروں کے

سہارے کے کوئی فیصلہ کر سکتے ہیں۔

محترم حضرات! یہ چند چیزیں ان کھلی ہوئی باتوں میں سے آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں جن کی غلطی ظاہر باہر ہے۔ ان پر نظر ڈالئے اور فیصلہ حاصل کیجئے کہ کہاں تک یہ حضرات صحیح الرائے اور صحیح النظر ہیں۔ ان کی رائے کہاں تک قابل وثوق ہے اور ان میں کہاں تک صحیح اور خالص جذبہ مسلمانوں کی ہمدردی اور بھلائی کا ہے فائدین لیگ نے سترہ اٹھارہ برس تک تو مسلم اکثریت کی قربانی اقلیت والے صوبوں پر کی اور اب پاکستان کا نام لے کر اقلیت والے صوبوں کو اکثریت پر قربان کیا جاتا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ با من انچہ کرد آن آشنا کرد

ننگ اسلاف
سید حسین احمد مدنی
صدر جمعیۃ علماء ہند
صدر آل انڈیا مسلم پارلیمنٹری بورڈ

اسلامی سیاست اور سیاسیات حاضرہ سے متعلق مفید

رسالے

(۱) جمعیۃ علماء کیا ہے - حصہ اول ۶/
(۲) " " " حصہ دوم (زیر طبع)
(۳) اساس انقلاب یا مراقبہ نماز ۱۲/
(۴) علماء حق اور اُن کے مجاہدانہ کارنامے (زیر طبع)
(۵) مسلم لیگ کیا ہے - ۲/
(۶) پاکستان کیا ہے ۶/
(۷) پاکستان پر ایک نظر ۵/
(۸) زعماء لیگ اور مسٹر جناح کی سیاسی غلطیاں ۲/
(۹) سول میرج اور لیگ ۲/
(۱۰) شریعیت بل اور لیگ ۱/
(۱۱) امامت اُمت کا دستور اساسی ۱/
(۱۲) مختصر تاریخ جمعیۃ علماء ہند مع اغراض و مقاصد و شرعی اہمیت
(۱۳) ترکی بترکی ۲/
(۱۴) شرکت کانگریس کا جواز اور ازالۂ شکوک ۳/

(۱۵) مولانا ظفر احمد صاحب کے بیان پر تبصرہ
(۱۶) خطبۂ صدارت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب
(۱۷) خطبہ صدارت مولانا سید سلیمان ندوی (کلکتہ)
(۱۸) خطبہ صدارت مولانا معین الدین صاحب
(۱۹) لیگی علماء کے فتاوی
(۲۰) مشیت اللہ صاحب کے دو ورقہ [illegible]اب
(۲۱) توضیح تجاویز
(۲۲) مسٹر جناح کا پراسرار معمہ اور اس کا حل
(۲۳) خالص پاکستانی نمبر رسالہ نئی زندگی الہ آباد
(۲۴) مکتوب گرامی حضرت شیخ مدظلہ
(۲۵) ہنگامہ سنہ ۴۲ء (از مولانا آزاد۔ مخصوص ادبی رنگ میں)
اس قسم کے دوسرے رسائل زیر طبع ہیں۔

ملنے کا پتہ

ناظم صاحب دفتر جمعیۃ علماء ہند دہلی

ناظم دفتر شعبۂ نشر و اشاعت جمعیۃ علما صوبہ متحدہ مغلپورہ ۲۔ مراد آباد

(مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس دہلی)